AL-QALAM القلم
ISSN 2071-8683 E-ISSN 2707-0077
Volume 25, Issue, 1, 2020
Published by Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

صفات الٰہی کے متعلق اصنامی تصورات اور اسلام کا شعیرۂ توحید خالص: تقابلی مطالعہ

Idolistic ideas regarding attributes of God and Islam's concept of Pure Oneness: a Comparative Study

***Sayyad Alam jamal Abdulsalam Hisham**
****Dr. Tahira Basharat**

* PhD Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore
**Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Undoubtedly the basic monotheistic message received by man was directly from the Creator of the universe. By the passage of time innovations introduced mostly by the religious clergy put a curtain on the basic characteristics regarding the Creator. Contamination and exaggeration was the net result. Even in Judaism and Christianity the ideas about God and its attributes did not remain pure and purple resulting in worship of images and icons. This resulted in formation of a religious pantheon that promoted unfair ideas and ideologies about God and nurtured idolatry almost in all religions. It is Islam's primary achievement that it, through divine revelation, restored the true attributes of the Creator and asserted Allah's utter uniqueness over any form of polytheism and false attributes. Thus Islam stands as a resolute voice of unqualified monotheism and announces unshakeable belief in the oneness and uniqueness of Allah- Allah who is simple yet rich in attributes.

نوع انسانی کے دینی تصورات کا ایک قدیم عہد مظاہر فطرت کی پرستش کا عہد ہے۔ یہ پرستش اصنام پرستی میں ڈھلی اور پرستش کی نوعیت اور تنوع بڑھنے کے باوجود انسانی فطرت سب سے اعلیٰ اور پیدا کرنے والی ہستی کو نہ بھلا سکی جو تمام اصنام پر حکمران تھی۔ اس لیے ہر جگہ کوئی نہ کوئی ایسا لفظ ضرور مستعمل رہا جس کے ذریعے اس اَن دیکھی اور اعلیٰ ترین ہستی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔

چنانچہ سامی زبانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف و اصوات کی ایک خاص ترکیب ہے جو معبودیت کے معنی میں مستعمل رہی ہے۔ یہ الف، لام اور ھ کا مادہ ہے۔ کلدانی و سریانی کا الاھیا، عبرانی کا الوہ، عربی کا الٰہ اسی سے ہے اور بلاشبہ یہی الٰہ ہے جو حرف تعریف کے اضافے کے بعد اللہ ہو گیا اور تعریف نے اسے صرف خالق کائنات کے لیے مخصوص کر دیا۔

الٰہ کے لفظ کی معنویت تحیر اور درماندگی سے عبارت ہے۔ جس قدر اس ذات مطلق کے بارے میں غور وخوض ہو گا عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی چلی جائے گی۔ اس لیے اللہ کا لفظ سب صفات پر محیط ہو گیا۔ جب اللہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو فوراً ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اُن تمام صفات کمال و حسن سے متصف ہے جو اس کی نسبت بیان کی گئی ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ انسان کا تصور الٰہ صفات قہریہ کے تخیل سے شروع ہوا۔ انسانی فکر کی طفولیت تعمیر کا حسن نہ دیکھ سکی۔ تخریب کی ہولناکیوں سے سہم گئی اور صفات الٰہی کی صورت آرائی پر اتری تو کائنات کے سلبی مظاہر کی دہشت سے متاثر ہو گئی۔ ابتدا میں آسمان کی ژالہ باری، سیلاب دریا، تلاطم بحر، رعد و برق کی ہیبت، آتش فشانی کا انفجار اور زلازل زمین کے سلبی مظاہر نے اس میں کیفیت رعب و ہیبت پیدا کر دی۔ لیکن آہستہ آہستہ رحمت و فیضان کے مظاہر بھی قابل دید ہوتے چلے گئے۔ یاس و دہشت کے ساتھ ساتھ اُمید و رحمت کے عناصر پرورش پانے لگے اور آخر کار قہر و غضب کے ساتھ رحمت و جمال کا تصور مساویانہ حیثیت میں قائم ہونا شروع ہوا۔

ظہور قرآن کے وقت پانچ دینی تصورات فکر انسانی کے کندھوں پر سوار تھے۔ چینی تصور مقامی خداؤں کے ساتھ ایک ایسی آسمانی ہستی پر اعتقاد رکھتا تھا جو جود و بخشش اور قہر و غضب کا مرقع ہے۔ نیز گزرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھی تدبیر و تصرف کا ملکہ رکھتی تھیں اور یوں اجداد پرستی کی ریت پروان چڑھی۔

اجداد پرستی کا نظریہ آسمانی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھ لیا گیا۔ یہ روحوں کا وسیلہ اور تشفع تھا جس نے اعتقاد وسیلہ کو عابدانہ پرستش کا لازمی جزو بنا دیا۔ نیز قربانیوں کا تصور دوہرا تھا۔ مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے قربانی نذر جبکہ قہر و غضب سے بچنے کے لیے فدیہ بن جایا کرتی تھی۔ بدھ مت کی اشاعت نے چین کے شمنی تصور کی آبیاری کی اور بدھ کو بذات خود خدا کی جگہ دے کر تبرکات و باقیات کا ایک جہان محسوس قائم کر دیا گیا۔

ہندوستانی تصور نے اشراک تعداد الہ کی بے روک راہ اختیار کی اور یوں آہستہ آہستہ ہر پتھر معبود ہو گیا اور ہر درخت خدائی کے مقام پر فائز ہو گیا۔ یوں بلندی بھی کمال کی تھی اور پستی بھی کمال کی۔ خواص توحید اور عوام اشراک اور اصنام پرستی میں مستغرق ہو گئے۔ رگ وید میں اگرچہ مظاہر قدرت کی پرستش کا تصور ہے لیکن دسویں حصے کے زمزموں میں توحیدی تصور کی نمود صاف صاف نظر آنے لگی اور خداؤں کا ہجوم تین تک سمٹ کر رہ گیا۔ پھر مزید سمٹا اور ایک سب سے بڑی اور سب پر چھائی ہوئی ہستی نظر آنے لگی۔

یہ صفات ایک بلند تصور کی طرف رہنمائی ضرور کرتی تھیں۔ سلبی اور ایجابی صفات کی نموداریوں نے خالق کے یگانہ، ازلی و ابدی، ناممکن الادراک اور واجب الوجود ہونے کا تصور فراہم تو کیا لیکن اشراک اور تعدد کی آمیزش کی وجہ

سے توحید فی الصفات کا بے میل عقیدہ جلوہ گر نہ ہو سکا۔ یوں ایک یگانہ ہستی کا تصور دوسرے خداؤں کو نابود نہ کر سکا البتہ اس کا قبضہ واقتدار تسلیم کر لیا گیا اور باقی سب اس کی ماتحتی میں آ گئے۔

بدھ مت کے تصور نے اصنام پرستی کے مفاسد کی قباحت کو پیش نظر رکھا اور ساری توجہ سعادت کے حصول پر مرکوز ہو گئی۔ یوں معبودان باطلہ کی پرستش سے انکار مطلق انکار کی صورت اختیار کر گیا۔ خدا کے تصور کی مسند کو خالی کر دیا گیا اور بعد ازاں بدھ مت کے پیروکاروں نے مرور ایام کی سنگدلی سے متاثر ہوتے ہوئے وہ خالی مسند بدھ کے وجود سے بھر دی۔ مجوسی تصور روشن ہستیوں اور تاریک عفریتوں کے مظاہر میں بٹ کر رہ گیا۔ روشن ہستی خوشی جبکہ تاریک عفریت مصیبت اور ہلاکت کے لیے مخصوص ہو گئی۔

زرتشت نے ان قدیم عقائد کی اصلاح تو کی اور دیوتاؤں کی جگہ فرشتوں کا تصور پیدا کیا مگر رفتہ رفتہ یہ تعلیم ہندوستانی آریاؤں کے ویدی عقائد کے رد میں ڈھل گئی۔ فقط اتنا ہوا کہ کارخانۂ ہستی کی سربراہی دو متقابل اور متعارض قوتوں میں تقسیم کر دی گئی۔

یہودی تصور الٰہ ابتدا میں محدود نسلی تصور تھا۔ یعنی کتاب پیدائش کا یہواہ شروع میں نسلی تھا۔ لیکن یسعیاہ دوم کے صحیفے میں تمام قوموں کا خدا بن گیا تاہم اسرائیلی خدا کا نسلی اختصاص بدستور کام کرتا رہا۔ یہودی تصور نے خدا اور انسان کے رشتے کو ازدواجی شکل میں مزین کیا۔ یہ تمثیل قائم رہی۔ یہودیوں کی ہر گمراہی پر خدا کے غضب کا اظہار ایک غضب ناک شوہر کا اظہار معلوم ہوتا ہے جو اپنی چہیتی بیوی کو اُس کی بے وفائیاں گنوا رہا ہو۔ بہرحال یہ خدا کے تصور کے لیے ایک ابتدائی درجے کا غیر ترقی یافتہ تصور تھا۔

جب مسیحی تصور نے نمو پائی تو رحم و محبت اور عفو و بخشش کے نئے تصورات لے کر آئی۔ اب شدت و غلظت کے یہودی تصور کے بالمقابل رحم و محبت کی رقت کا انقلابی تصور پروان چڑھا اور اگرچہ شوہر کی تمثیل کے مقابلے میں باپ کا تمثیلی تصور زیادہ شائستہ اور ترقی یافتہ تھا۔ لیکن جب مسیحی عقائد رومی اصنام پرستی کے تصورات سے آلودہ ہوئے تو اقانیم ثلاثہ، کفارہ اور مسیح پرستی کے تصورات چھا گئے۔ اب مسیحیت کو بت پرستوں کی بت پرستی تو شاق گزرتی تھی لیکن اپنی بت پرستی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> قرآن کا جب نزول ہوا تو مسیحی تصور رحم و محبت کی پدری تمثیل کے ساتھ اقانیم ثلاثہ، کفارہ اور **تجسم** کا ایک مخلوط اشراکی، توحیدی تصور تھا۔ [1]

ان تصورات اور قرآن کے تصور الہ میں واضح فرق ہے۔ قرآن نے ذات الٰہی کے بارے میں وجود اور تنزیہ کا جو تصور پیش کیا اس کی کوئی مثال نزول قرآن کے وقت موجود نہ تھی۔

قرآن سے پہلے تنزیہ کا بڑے سے بڑا مرتبہ فقط یہ تھا کہ ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کی جائے اور اصنام پرستی سے منہ موڑا جائے لیکن صفات الٰہی کا تصور انسانی اوصاف وجذبات کی مشابہت اور جسم وہیئت کے تمثل سے خالی نہ تھا۔ گویا قبل از قرآن فکر انسانی اتنا ادنی تھا کہ تمثیل کا پردہ ہٹا کر صفات الٰہی کے جلوے دیکھنے سے قاصر تھا۔ مگر قرآن نے الٰہ کے تصور کو نیا فکری جامہ اوڑھایا ہر گوشے میں مجاز کی جگہ حقیقت کا جلوہ نمایاں ہوا اور **تجسم** کا شائبہ تک نہ باقی رہا۔ تمثیل وتشبیہ کے تمام پردے ہٹے اور اللہ کی ذات کا ایک ایسا تصور پیدا ہوا جو ساری کائنات کے لیے سرمایۂ حیات اور وسیلۂ نجات بنا۔

تنزیہ کے کمال کے لیے فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾[2] اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ تحریر کرتے ہیں:

مراد یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ کا کوئی مثل ہوتا تو اُس جیسا بھی کوئی نہ ہوتا کجا کہ خود اللہ جیسا ہو۔[3] **اسی طرح فرمایا:**

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾[4]

اس (کی حقیقت) کو نگاہیں نہیں پاسکتیں، اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ نہایت باریک بین باخبر ہے۔

اور سورۃ الاخلاص میں تنزیہ کو کمال عروج تک پہنچا کر کہا:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ٥ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ٥ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ٥﴾[5]

کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ ہی بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔

علامہ عبدالرحمن بن ناصر سعدی لکھتے ہیں:

"ليس يشبهه تعالى ولا يماثله شيء من مخلوقاته، لا في ذاته ولا في اسمائه ولا في صفاته ولا في افعاله لان اسمائه كلها حسنى وصفاته صفات كمال وعظمه وافعاله تعالى اوجد بها المخلوقات العظيمة۔"[6]

تنزیہ صفات الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک رکھنے کا عمل ہے۔ جبکہ تعطیل تنزیہ کے منع و نفی کو غیر ضروری حد تک لے جانے کا وطیرہ ہے۔ یہاں تک کہ فکر انسانی کے تصور کے لیے کوئی بات باقی نہ رہے۔

غیر صفاتی تصور محض نفی و سلب ہوتا ہے۔ یہ دلوں کا زندہ اور گرم عقیدہ بننے سے عاجز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے تنزیہ کو اگر کمال درجے تک پہنچایا تو تعطیل سے بھی اس کو بچالیا۔ تمام صفات وافعال کے اثبات کے ساتھ ساتھ مشابہت کی قطعی نفی بھی کرتا چلا گیا۔ اس لیے انسانی فکر کو تسلی دینے کے لیے اور اُس کے اضطراب کو سکون میں بدلنے کے لیے ایجابی صفات کا ذکر کرتا رہا۔ خدا زندہ ہے، قدرت والا ہے، پالنے والا ہے، دیکھنے اور سننے والا ہے۔ نیز قرآن انسان کی بول چال میں قدرت واختیار اور ارادہ و فعل کی شائستہ تعبیرات بلا تامل استعمال کرتا رہا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ﴾ [7] بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا:

﴿وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ﴾ [8] اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے۔

کہیں فرمایا: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ [9] اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

ایسا بھی فرمایا: ﴿وَيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ﴾ [10]

اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔

اب یہاں اگر کمال تنزیہہ موجود ہے تو لیس کمثلہ شیء، لا تدرکہ الابصار، فلا تضربوا للہ الامثال کے اصول بھی موجود ہیں۔ یعنی اللہ کا زندہ ہونا مخلوق کے مشابہ نہیں۔

اسلام کے تصور الٰہی کا یہ پہلو تمام فکری اوہام اور وساوس کا حل پیش کرتا ہے۔ ایک طرف بام حقیقت کی بلندی اور فکر کوتاہ کی نارسائی، دوسری طرف فطرت کا اضطراب طلب اور دل کا تقاضائے دید۔ ایک طرف راہ کی دشواریاں، دوسری طرف طلب کی سہل اندیشیاں۔

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

اگر تنزیہ کی طرف جھکیں تو تعطیل میں جا گرتے ہیں۔ اگر اثبات صفات کی صورت آرائی میں دور نکلتے ہیں تو تشبہ اور تجسم کے تیر کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ پس قرآن کی راہ نجات یہی ہے کہ فکری معنویت کے راہ پر قدم سنبھال کر چلیں۔ اثبات کا دامن بھی نہ چھوٹے۔ تنزیہ کی باگ بھی ڈھیلی نہ پڑے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

اثبات اُس کی دل آویز صفتوں کا مرقع کھینچے گا۔ تنزیہ تشبہ کی پرچھائیں بچاتی رہے گی۔ [11]

یوں اسلام نے الٰہ کے فکری معانی نکھار دیے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تصور کو صاف شفاف کر کے پیش کر دیا۔ ہر گرد اور غبار جو آئینہ توحید پر احبار و رہبان، اجداد پرستی، اصنام پرستی، نفس پرستی، تمرد، طغیان، سرکشی اور اباء نے جما دیا تھا۔

قرآنی آیات نے حقیقت کی موسلا دھار بارش سے اس کو یکسر محو کر کے انسانی دل و دماغ کو اللہ کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا کہ خوف رکھنے کے باوجود وہ اللہ کی طرف مائل ہونے پر مجبور ہو گیا۔ ایسی قید کی طرف رہنمائی کی کہ ہر کوئی گرفتار ہونے کو تیار ہو گیا۔

ایک طرف رحمت و جمال کا وہ کامل تصور ہے کہ غضب کی جگہ نہ رہی اور دوسری طرف جزاء عمل کا سررشتہ بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جزاء کا اعتقاد قہر و غضب کی بنا پر نہیں بلکہ عدالت کی بنیاد پر قائم کر دیا۔

صفات الٰہی کے بارے میں اعلان ہوا:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [12]

کہہ دیجیے: (اللہ کو) "اللہ" کہہ کر پکارو یا "رحمن" کہہ کر، تم جس نام سے بھی پکارو تو اسی کے لیے اچھے سے اچھے نام ہیں۔

یوں اللہ کی تمام صفات حسن وخوبی کی صفات ہیں۔ ان میں بظاہر قہر و جلال کی صفات بھی ہیں، مثلاً جبار، قہار، لیکن یہ بھی اسماء حسنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان میں قدرت وعدالت کا ظہور ہے اور قدرت وعدالت قبح نقص نہیں بلکہ کمال حسن و خوبی ہے۔ خوں خواری اور خوفناکی نہیں بلکہ عدل وانصاف کا پیکر رعنائی ہے۔

سورۂ حشر میں صفات رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال کا ذکر کیا اور پھر متصلاً ان سب کو اسماء حسنیٰ قرار دے دیا۔

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾[13]

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چھپی اور کھلی چیز کو جاننے والا ہے، وہی بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنی مرضی چلانے والا، بے حد بڑائی والا ہے، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو خاکہ بنانے والا، گھڑنے ڈھالنے والا، صورت بنادینے والا ہے، سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح ہر وہ چیز کرتی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

نیز صفاتِ الٰہی میں الحاد سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ لِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اَسۡمَآئِهٖ سَیُجۡزَوۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾[14]

اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، لہٰذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو، اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے۔

شیخ محمد صالح العثیمینؒ تحریر فرماتے ہیں:

"صفات اللّٰه تعالٰی کلها صفات کمال لا نقص فیها بوجه من الوجوه۔" [15]

اللہ کی تمام صفات صفات کمال ہیں ان میں کسی طرح کا نقص نہیں۔

یوں توحید فی الصفات کی کامل نقشہ گری نے ان تمام لغزشوں کی راہ مسدود کر دی جن کی وجہ سے مخلوقات کو ابن اللہ، خدا کا اوتار یا اُس کا شریک وسہیم سمجھ لیا گیا تھا۔ ایک طرف یہودیوں کے ہیکل نبیوں کے اجسام کی پوجا کے مراکز بنے۔

مسیحیت نے الوہیت مسیح و مریم میں پناہ تلاش کی۔ بدھ مذہب بدھ کے مجسّموں میں غرق ہو گیا۔ جبکہ دوسری طرف اسلام نے ان تمام شرکیہ معانی کو توحید کے اصل فکری معانی سے تبدیل کر دیا۔ یہ تصور پیدا کیا کہ

عبادت اور نیاز کی مستحق صرف اللہ ہی کی ذات ہے اور اُس کے اور اُس کی مخلوق کے مابین کوئی ایسا نہیں جو رکاوٹ یا وسیلہ بن سکے۔

چنانچہ فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ O﴾[16]

"اور (اے نبی ﷺ) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے۔ پس چاہیے کہ وہ بھی میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔"

مضطر دلوں کے سکون کے لیے قرب کی وضاحت بھی فرمادی:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾[17]

اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

کائنات کی نگرانی کے فکری معانی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾[18]

"وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، زندہ ہے، سب کو سنبھالے ہوئے ہے، اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کو اپنے احاطے میں نہیں لا سکتے سوائے اس بات کے جو وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے اور اسے ان دونوں کی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بلند تر، نہایت عظمت والا ہے۔"

دنیامیں جن شخصیات کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھ کر خدا کا سہیم اور شریک بنایا گیا۔اسلام نے خود ان کی صفات کو من دون اللہ کے دائرے میں داخل کرتے ہوئے مخلوقات کی برابری کے اصول کو اتنا پختہ کیا کہ شرک کی ساری عمارت زمین بوس ہوگئی۔ یہاں تک مسیح و مریم، عزیر و سلیمان حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی پوجا، عبادت کی ذرا برابر بھی جگہ باقی نہ رہی۔

عیسائیوں کے عقیدہ پر ضرب لگاتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ [19]

یقیناان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: پس کون ہے جو اللہ کے آگے کچھ اختیار رکھتا ہو اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرلے؟

کہیں فرمایا:

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ [20]

"مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول ہی۔ بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں،اور ان کی ماں صدیقہ (نہایت راستباز) تھی،وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔"

کہیں یوں ارشاد ہوا:

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِنِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ [21]

"اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے مونہوں کی بات ہے۔"

خود محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا﴾ [22]

"اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے ؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔"

کہیں تمام رسولوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾[23]

"اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، بلاشبہ وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔"

کہیں اللہ کی الوہیت کے ضابطے بیان کرتے ہوئے غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾[24]

" (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔"

کہیں فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾[25]

"کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔"

احبار ورہبان پرستی کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾[26]

"اے ایمان والو! بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔"

نیز فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[27]

انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنالیا۔

توحید الٰہی کے اسلامی نظریات نے غلط سفارش اور شفاعت کے عقیدے کو اصل معنویت عطا کی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [28]

کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

پھر فرمایا: ﴿لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ [29]

وہ کلام نہیں کریں گے مگر وہی جسے رحمان اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔

اسلامی تصور الٰہ نے واضح کر دیا کہ نوح علیہ السلام اپنے بیٹے اور بیوی جبکہ لوط علیہ السلام اپنی بیوی کے ذرا بھی کام نہ آسکے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ﴾ [30]

وہ ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر انھوں نے ان دونوں کی خیانت کی تو وہ اللہ سے (بچانے میں) ان کے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں آگ میں داخل ہو جاؤ۔

نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں فرمایا:

﴿وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ﴾ [31]

"اور ان دونوں کے درمیان لہر حائل ہو گئی تو وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔"

جب یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں قید رہے تو پھر فرمایا:

﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [32]

"پھر اس نے (ہمیں) اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بلاشبہ میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔"

اور اپنی بے نیازی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ○ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ [33]

''پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تسبیح کرنے والوں سے تھا۔ تو یقیناً اس کے پیٹ میں اس دن تک رہتا جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

مشرکین کے شرک کی وجہ ظن ووساوس کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ﴾ [34]

''یہ لوگ صرف گمان کے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔''

پھر فرمایا:

﴿اِنۡ هِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ﴾ [35]

''یہ (بت) چند ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ ان کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔''

ان تمام آیات کا خلاصہ یہی ہے کہ مشرکین نے فطری توحید کے تصور کو آلودہ کرنے کے لیے آبا پرستی، اجداد پرستی، صالح پرستی، شجر اور حجر پرستی کے جتنے بھی باطل نظریات بنا رکھے تھے اسلام کے تصور الٰہ نے ان کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا۔

یہ ہے اسلام کا شعیرۂ توحید کہ اگر اللہ اپنی ذات میں یکتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال وصفات میں بھی یگانہ ہو۔ یہاں ایجابی پہلو کہ اللہ ایک ہے کا رنگ بھی نمایاں ہوا اور سلبی پہلو کہ اللہ کی طرح کوئی نہیں کا رنگ بھی نکھر گیا۔ اسلام کے تصور الٰہی کا ایک اور فکری معنی یہ ہے کہ عوام اور خواص کے لیے ایک تصور توحید ہے۔ یہ نہیں کہ صرف خواص تو اس سے مراد حاصل کر لیں اور عوام کے لیے یہ سعی لاحاصل بن جائے۔

یوں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات بالخصوص میں یکتا اور بے نظیر ہے۔ نیک لوگوں کی محبت میں غلو کا جذبہ چونکہ اللہ کی توحید سے متصادم ہے لہٰذا نیک لوگوں کی تصاویر اور مجسّموں کو بالخصوص حرام قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ یہ تصویریں اور مجسّمے ہی توحید الٰہی میں رخنوں کا باعث بنتے رہے ہیں۔ مختصراً الوہیت کا تصور، تمام اشیاء سے اُس کی نفی اور صرف اللہ ہی کے لیے اُس کا اثبات اسلام کے تصور الٰہی کو ممتاز ترین بنا دیتا ہے۔

الٰہ صرف وہی ہے جو بے نیاز، صمد اور قیوم ہو، قادر مطلق ہو، جس کا علم سب پر محیط ہو جس کی حکمت بے نقص، طاقت سب پر غالب ہو۔ عدل میں ظلم کا شائبہ نہ ہو۔ زندگی اور وسائل حیات بخشنے والا ہو۔ نفع و

ضرر کی تمام قوتوں کا مالک ہو۔ عام آدمی بھی اُس کے محتاج ہوں اور خاص الخواص بھی اُس کے در کے فقیر ہوں۔ لہٰذا قرآنی تصور الٰہ کے مطابق تمام موجودات خواہ وہ انبیاء و صلحا ہیں یا اولیاء و شہداء ہیں۔ شجر یا حجر کی قبیل سے ہیں۔ آتش یا باراں کی شکل میں ہیں کسی طرح سے بھی الوہیت کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اسلام کا جائز مطالبہ یہ ہے کہ اُن تمام کی الوہیت کی نفی کر کے پہلے لا الہ کا نعرہ بلند کیا جائے اور پھر الا اللہ کے اثبات کے ساتھ ہر طرح کی نیاز مندیاں ایک اللہ کے لیے خاص کر دی جائیں۔ یہ ہے وہ تصور الٰہ جس سے کئی فکری معانی بر آمد ہوتے ہیں۔ انسان آزادی و حریت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کر لیتا ہے۔ خودداری اور عزت نفس کے عناصر اُس کی شخصیت کی ترکیب میں شامل ہو جاتے ہیں، وہ تمام قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف ہو جاتا ہے۔ تواضع اور انکساری اُس کا سرمایۂ حیات بن جاتے ہیں۔ تنگ نظری اُس کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ وہ قناعت اور بے نیازی، عزم و حوصلہ اور صبر و توکل کے اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے۔ نیز اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کسی ذات کا محتاج نہیں بلکہ پاکیزگیٔ عمل اور صالحیت کا قدر دان ہے۔

اس تصور الٰہ کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی بندگی سے چھوٹ کر اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں دیتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ قوم، ملک، وطن اور تمام رسوم و قیود سے آزاد ہو کر خدا کی طرف بھاگتا ہے۔ آخری درجہ یہ ہے کہ خوشی خوشی اس زندگی پر اللہ کے قریب اور اُس کی مشیت کو ترجیح دیتا ہے۔ [36]

اس تصور الٰہ کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

قرآن نے حقیقت و عمل یا خاص و عام کا کوئی امتیاز باقی نہیں رکھا... وہ سب پر اعتقاد و ایمان کا ایک ہی دروازہ کھولتا ہے۔ اس کا تصور جس طرح ایک حکیم و عارف کے لیے سرمایۂ تفکر ہے۔ اسی طرح ایک چرواہے اور دھقان کے لیے سرمایہ تسکین۔ [37]

حوالہ جات و حواشی

[1] آزاد، ابوالکلام، مولانا، ام الکتاب، مکتبۂ جمال، لاہور، 2013، ص: 192۔

[2] الشوریٰ: 42/11۔

[3] مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفسیر تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2008، 4/485۔

[4] الانعام: 6/103۔

[5] الاخلاص: 112/1۔ 4۔

[6] سعدی، عبد الرحمن بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 2001، ص: 908۔

[7] المائدۃ : 5/64۔

[8] البقرۃ : 2/255۔

[9] الفتح : 48/10۔

[10] الرحمٰن : 55/27۔

[11] آزاد، ابوالکلام، مولانا، ام الکتاب، مکتبۂ جمال، لاہور، 2013ء، ص 206۔

[12] بنی اسرائیل : 17/110۔

[13] الحشر : 59/22۔ 24۔

[14] الاعراف : 7/180۔

[15] العثیمین، محمد صالح، الشیخ، القواعد المثلی، اضواء السلف، الریاض، 1996، ص : 53۔

[16] البقرۃ : 2/186۔

[17] ق : 50/16۔

[18] البقرۃ : 2/255۔

[19] المائدۃ : 5/17۔

[20] المائدۃ : 5/75۔

[21] التوبۃ : 9/30۔

[22] آل عمران : 3/144۔

[23] الفرقان : 25:20۔

[24] الانعام : 6/50۔

[25] الاعراف : 7/188۔

[26] التوبۃ : 9/34۔

[27] التوبۃ : 9/31۔

[28] البقرۃ : 2/255۔

[29] النبا 78/38۔

[30] التحریم : 66/10۔

[31] ہود : 11/43۔

[32] الانبیاء : 21/87۔

[33] الصافات : 37/143۔ 144۔

[34] النجم : 53/23۔

[35] النجم : 53/23۔

[36] اصلاحی، امین احسن، مولانا، حقیقت شرک وتوحید، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 2007، ص:265۔

[37] آزاد، ابوالکلام، مولانا، ام الکتاب، مکتبۂ جمال، لاہور، 2013، ص:326۔

☆...☆...☆